مہابھارت

جلال افسر سنبھلی ایم۔ اے

Malzalzarat

Sambal U P.

منظوم

مہابھارت

جلال افسر سنبھلی ایم۔ اے
صدر اردو تعلیمی جائزہ کمیٹی سنبھل
ضلع مُراد آباد۔ یوپی

قیمت دسؔ روپے
علاوہ محصول ڈاک

سن اشاعت ۱۹۸۹ء
مطبوعہ نیو لیتھو آرٹ پریس دلّی

انتساب

اُن تمام حق پرستوں کے نام

جو

باطل سے برسرِ پیکار رہیں

جلال افسر سنبھلی

اپنی بات

مہابھارت، سنسکرت کے مشہور عالم مہرشی دیاس کی ایک طویل نظم ہے جس میں اضافہ ہوتے ہوتے تقریباً ایک لاکھ اشلوک ہو چکے ہیں۔ مہرشی نے اس نظم میں کئی ہزار سال پہلے آریاؤں میں آپس میں لڑی ہوئی حق و باطل کی جنگ اور بہت سے ضمنی قصّوں کا بیان کیا ہے۔ بھگوت گیتا بھی اسی کا ایک جزو ہے۔ جس میں کرشن جی نے ارجن کو روح کی عظمت اور اس کی غیر فانی حیثیت سمجھاتے ہوئے حق کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگا دینے کا درس دیا ہے۔ مختصر یہ کہ اس نظم میں نہایت اعلیٰ خیالات اور پند و نصائح کا ذخیرہ موجود ہے اس لئے اسکے ترجمے متعدد زبانوں میں ہو چکے ہیں مگر پھر بھی عوام الناس اس لافانی نظم سے فیضیاب نہیں ہو پاتے جس کا سبب یہ ہے کہ اس مشینی دور میں انسان کے پاس نہ تو اتنا وقت ہے کہ وہ مہابھارت جیسی ضخیم نظم کو پڑھے اور نہ ہی گرانی کے اس دور میں ہر شخص ڈھائی تین سو روپے کی کتاب خریدنے کی سکت رکھتا ہے اسی لئے راقم الحروف نے مہابھارت کو سلیس اردو زبان

میں مختصراً پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ امید کہ زیادہ سے زیادہ لوگ
اس نظم میں پوشیدہ رموز دنکات سے استفادہ کر سکیں گے۔
میں اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہو سکا ہوں اس کا۔
فیصلہ قارئین کرام فرمائیں گے۔
آخر میں، میں ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری
سمجھتا ہوں جنھوں نے اس نظم پر اپنے تاثرات تحریر فرمانے کی۔
زحمت گوارا فرمائی۔

جلال افسرؔ سنبھلی ایم۔اے

سرِ آغاز

(جناب رئیس امروہوی، رئیس اکاڈمی، اگارڈن ایسٹ کراچی۔ پاکستان)

عالمی ادب میں مہابھارت کے منظوم رزمیئے کو جو اہمیت حاصل ہے اس سے ہر صاحب ذوق واقف ہے۔ اس مثنوی کو بجا طور پر دنیا کی چند غیر فانی منظومات میں شمار کیا جاتا ہے مہابھارت میں بھی خیر و شر کی اسی ابدی و ازلی معرکہ آرائی کی ترجمانی نہایت دلآویزی اور ڈرامائی تاثیر کے ساتھ کی گئی ہے جسے دنیا کے زندہ جاوید شعر و ادب میں طرح طرح سے پیش کیا گیا ہے۔ سینکڑوں صدیوں سے یہ منظومہ (مہابھارت) کروڑوں انسانوں کے دلوں کو گرماتا اور روحوں کو برماتا رہا ہے۔ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں جسمیں اس لازوال مثنوی کا ترجمہ نہ کیا گیا ہو۔ اردو زبان میں بھی مہابھارت کو نثر و نظم کی صورت میں منتقل کیا گیا ہے لیکن یہ ایک ایسی لذیذ حکایت ہے جسے بار بار دہرانے کے باوجود اس کی تاثیر اور لذت میں کمی نہیں آئی۔

جناب جلال افسر سنبھلی اُردو اہل ذوق کے شکریئے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ایک مرتبہ پھر اس زندہ جاوید مثنوی کو اردو نظم کی صورت میں پیش کیا ہے۔ اس نظم کا مرکزی نقطہ

کوروؤں پانڈوؤں کی جنگ ہے مصنّف نے ہتھیاروں کے اس تصادم کو خیر و شر کی معرکہ آرائی قرار دیا ہے. کرشن جی کی نورانی شخصیت ارجن کو جو درس حیات دیتی ہے وہ آج بھی حیات انسانی کی منزل مقصود ہے کرشن جی نے بقائے دوام اور خیر و تعمیر کی قوتوں کی آخری کامیابی کا فلسفہ جس خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے وہ ہمیشہ انسانیت کے لئے بھی خضر راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب ارجن میدانِ جنگ میں اپنے عزیزوں، دوستوں اور ساتھیوں کو صف بستہ اور ایک دوسرے کے خون کا پیاسا دیکھتا ہے تو اسے جنگ کے مقاصد کے بارے میں شبہ پیدا ہو جاتا ہے وہ تذبذب میں مبتلا ہے سوچتا ہے کہ اس جنگ و جدل اور خونریزی سے کیا فائدہ؟ مہابھارت کے پورے اخلاقی ڈرامہ میں یہ نقطہ نفسیاتی طور پر بہت اہم ہے ارجن کو بے یقینی اور تذبذب میں گرفتار دیکھ کر کرشن جی فرماتے ہیں ؎

فکر باطل کی نہ کر، بزدل نہ ہو، ناداں نہ بن
موت سے ڈرتے نہیں ہیں رہروِ حق جان من
حق امر ہے اس کا کوئی مارنے والا نہیں
اور باطل اپنی کوئی اہمیت رکھتا نہیں
اس لئے حق کی حفاظت فرض ہے ہر شخص پر
زندگی اور موت کا اس پر نہیں ہوتا اثر

کون ہے وہ جس کو ارجن ایک دن مرنا نہیں
کون ہے جس کو عدم کی راہ طے کرنا نہیں
جسمِ خاکی کی حقیقت کچھ نہیں ہے جان لے
روح صادق ہے حقیقت میں اسے پہچان لے

روح کی عظمت اور غیر فانی حیثیت کے بارے میں ہندوستان کے اس دانا فلسفی کا بیان ہے کہ ؎

عنصری قالب کی ناداں فکر کرنا ہے عبث
جنگ سے باطل پرستوں کی تو ڈرتا ہے عبث
جس طرح انساں بدلتا رہتا ہے اپنا لباس
روح بھی بالکل یونہی اپنا بدلتی ہے لباس
روح آتش سے کسی حالت میں جل سکتی نہیں
آب کیا سیلاب سے بھی یہ تو گل سکتی نہیں
اس پہ بادِ تند کا کوئی نہیں ہوتا اثر
کاٹنے میں روح کو عاجز ہے تیغِ تیز تر
مارنا اس کو الگ ہے دیکھنا بھی ہے محال
ہے وجود اس کا مرے نزدیک ارجن لازوال

ان اشعار سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مہابھارت میں فلسفۂ حیات کو کس حسنِ بیان اور فلسفیانہ بلاغت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ جہاں تک جلال افسر کے اندازِ بیان کا تعلق ہے

تو انہوں نے کوشش کی ہے کہ اس عظیم مثنوی کی روح کو اشعار کی شکل میں پیش کر دیں۔

میری دعا ہے کہ ان کی یہ شاعرانہ کوشش مقبول عام ہو۔

رئیس امروہوی

تاثرات

از:- جناب ڈاکٹر سعادت علی صدیقی ایم۔ لٹ، پی ایچ ڈی
ممبر یوپی اردو تعلیمی صلاح کار بورڈ

اردو پر حسن و عشق کے فسانے سنانے اور جام و مینا کی گفتگو کرنے کا الزام اکثر لگایا جاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اردو کے شاعر و ادیب ہر دور میں اپنے دور کا ضمیر اور اپنے ضمیر کی آواز رہے ہیں۔ انہوں نے ناسازگار ماحول اور نامساعد حالات کے باوجود ضمیر کی آواز پر لبیک کہنے سے گریز نہیں کیا ہے اور اپنے جنوں کی حکایت خونچکاں ہاتھ قلم ہونے کے باوجود لکھنے کی جرأت کی ہے۔

۱۸۵۷ء کا خونی انقلاب یا جہادِ آزادی، قومی و ملکی مسائل ہوں یا تاریخی و مذہبی واقعات، حکایت بزم ہو یا داستانِ رزم۔ اردو شاعروں نے ہر موضوع اور ہر مضمون کی ترجمانی و عکاسی میں حقیقت نگاری و صدق دلی کا ثبوت دیا ہے۔

جواں سال و صاحب فکر شاعر جناب جلال الدین افسر سنبھلی کی پیش نظر تصنیف منظوم مہارت بھی اسی روشن حقیقت

کی مظہر ہے۔ افسر سنبھلی مردم خیز خطہ سنبھل کی نئی نسل کے ان شعراء میں سے ہیں جنھوں نے قدیم اقدار اور کلاسیکی روایات سے گہری وابستگی کا ثبوت بھی دیا ہے اور جدید اقدار و عصری تقاضوں کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ مزید خوشی کی بات یہ ہے کہ انہوں نے خود کو شعر و شاعری تک ہی محدود و مسدود نہیں رکھا ہے بلکہ نثر نگاری کے میدان میں بھی اپنے جوہر دکھا رہے ہیں۔ وہ صرف قلم کے ہی سپاہی نہیں ہیں، عمل کی دنیا میں بھی جہاد کر رہے ہیں ایک طرف وہ عروس ادب کے گیسو سنوارنے میں مصروف ہیں تو دوسری طرف اردو کی ترویج و اشاعت کے لئے بھی سرگرم عمل ہیں یہ وصف کم لوگوں کو نصیب ہوا ہے۔

یوں تو غزل افسر کی محبوب صنف سخن ہے لیکن انہوں نے متعدد اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے، نظم، قطعہ، رباعی وغیرہ میں تو انہوں نے مشاقی و مہارت کا ثبوت دیا ہی ہے تاریخی داستان مہابھارت کے ذریعہ انہوں نے پہلی بار نظم بطرز مثنوی کے کوچے میں قدم رکھا ہے اور "صحیح سمت صحیح قدم" کو عملی جامہ پہنایا ہے۔

کسی تاریخی واقعہ کو نظم کے پیکر میں ڈھالنا اور اسے اسکے صحیح پس منظر کیساتھ پیش کرنا آسان کام نہیں۔ افسر سنبھلی نے یہ پل صراط طے کرنے میں ثابت قدمی کا ثبوت دیا ہے۔ توقع ہی نہیں یقین ہے کہ یہ منظوم مہابھارت توجہ اور دلچسپی کے ساتھ پڑھی جائے گی اور ادبی حلقوں میں اس کا پر جوش خیر مقدم کیا جائے گا۔

ڈاکٹر سعادت علی

اظہارِ حقیقت!

ازـ علّامہ رضی بدایونی چیف ایڈیٹر "دارالسلطنت" نئی دلّی

اتر پردیش ضلع مرادآباد میں سنبھل وہ مردم خیز خطّہ ہے جو اپنی ادبی شعری سرگرمیوں کیلئے کسی تعارف کا محتاج نہیں، ہر دور میں اس سرزمین نے ممتاز عالم و فاضل اور ادیب و شاعر پیدا کئے جو اربابِ ذوق سے خراجِ تحسین حاصل کرتے رہے ہیں۔ گویا ابتدا سے ہی یہ خطّہ علم و ادب اور شعر و سخن کا گہوارہ اور تہذیب و تمدّن کا مرکز رہا ہے۔ اس مردم خیز سرزمین کے افق پر آجکل ایک نیا ستارہ درخشندہ ہے جس کا نام ہے جلال الدین اور تخلص افسر۔ تقریباً گزشتہ پندرہ بیس برسوں سے میں ان سے متعارف ہوں نہایت خلیق، منکسر المزاج، متواضع اور سعادتمند ہیں۔ قسّامِ ازل نے انھیں شعر گوئی کی بہتر صلاحیت بھی عطا فرمائی ہے۔ اور دردمند، حسّاس، محبت پرور دل بھی ودیعت فرمایا ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری کا آغاز رنگِ قدیم سے کیا جسے روائتی یا کلاسیکل شاعری کہا جاتا ہے۔ لیکن بدلتے ہوئے ارتقائی دور اور حالات و ماحول کے اہم تقاضوں کے پیشِ نظر اب انہوں نے نئے مضامین و اسلوب کی ڈگر بھی اپنالی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب ان کے اشعار میں نئے آہنگ کی گونج بھی سنائی دیتی ہے۔

انھیں اپنی اس آواز کو بلند کرنے اور تروتازہ بنانے رکھنے کیلئے جو جدوجہد کرنی پڑی ہے اس نے ان کے مزاج میں خلوص ومحبت کی ٹھنڈک کے ساتھ ہی حالات وماحول کی تپش کو بھی شامل کردیا ہے۔ لیکن اس امتزاج نے ان کی شعری تخلیقات کو کہیں بھی بدنما نہیں ہونے دیا ہے بلکہ حسین اور موثر ہی بنایا ہے۔ ۳۵-۳۶ برس کی قلیل عمر رواں میں اس جواں سال عاشق شعر وادب کی سات تصانیف وتالیف طبع ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں اور ارباب ادب سے خراج تحسین حاصل کرچکی ہیں۔! افسر صاحب کی شاعرانہ صلاحیت اور والہانہ ادبی شعری لگاؤ کے تعلق سے صرف اتنا کہہ دینا ہی بہت کافی سمجھتا ہوں کہ انہوں نے شعرگوئی کے ہر لحاظ سے بے جھجک گزر کر اپنا ایک منفرد مقام بنایا ہے۔ انہوں نے صرف غزل کو ہی اپنے شاعرانہ اظہار خیال کا وسیلہ نہیں بنایا بلکہ حمد، نعت ومناقب، مرثیہ، مسدس، رباعی، قطعات وغیرہ سبھی اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے، نظم گوئی کی جانب بھی مائل ہیں کئی نظمیں میری نظر سے گذری ہیں۔ جن میں جذبات کی شگفتگی بھی ہے تسلسل بھی، منظر نگاری بھی اور اثرآفرینی بھی غالب ہے۔

افسر صاحب کی زیر طبع تخلیق "مہابھارت" ایک ایسی ہی نظم ہے جو بھارت کے قدیم تاریخی واقعہ پر مشتمل ہے، سلیس عام فہم اور پُراثر انداز بیان ہے۔ تسلسل کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے۔ اس نظم کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ افسر کے قلب کی گہرائیوں میں قومی اتحاد

کا جذبہ اور اتحاد و یکجہتی کی چنگاریاں بھی فروزاں ہیں اور آہنگ میں امید کی روشنی اور عزم و حوصلہ کی حرکت و حرارت بھی، جو اپنے قاری کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتی۔ اور فی زمانہ اس کی ضرورت بھی ہے۔

مہابھارت ایک ایسا رزمیہ ہے جو زمانہ قدیم سے ادباء و شعرا کا مرکز نظر رہا ہے اور انہوں نے اپنے اپنے نقطۂ نظر سے اس پر روشنی ڈالی ہے۔ اس ضمن میں مذہب و ملت یا فرقہ کی مطلق قید نہیں۔ دیکھا جائے تو اس ضمن میں مسلم ادباء و شعراء ہی سرِ فہرست نظر آتے ہیں اور اُن میں جلال الدین افسر ایک واضح اور درخشاں مثال ہیں۔ رضی بدایونی۔ ۲۰ جون ۱۹۸۹ء

ایک عظیم مشن کا اعادہ

از:۔ جناب سیّد اختر الاسلام۔ ایڈیٹر "میرٹھ میلہ" میرٹھ

مہابھارت ایک عظیم رزمیہ داستان ہے جو شروع سے بلا تخصیص مذہب و ملت ادباء و شعراء کا مرکز نظر رہی ہے انھیں میں دورِ حاضر کے ایک نوجوان تذکرہ نگار ادیب و شاعر جلال افسر سنبھلی ہیں جنھوں نے اس مقدس رزمیہ کو اپنے طور پر منظوم کیا ہے۔

مہابھارت کی تعلیمات قومی یک جہتی اور مذہبی رواداری سے تعبیر

ہیں۔ دورِ حاضر میں اس قومی یک جہتی اور مذہبی رواداری کی اسلئے
بھی ضرورت ہے کیونکہ چند تخریب پسند لوگ اپنی ریشہ دوانیوں کے تحت ملک
کے مختلف حصوں میں تخریبی کارروائیاں کرکے کسی مخصوص علاقہ
کا امن درہم برہم کرکے وہاں فرقہ داریت کا زہر گھول دیتے ہیں۔
اس زہر افشانی کو صفحہ ہستی سے معدوم کرنے کے لئے مشہور شاعر
جناب نادر صدیقی نے ایک طباعتی پروجیکٹ 'جمنا سے زمزم تک'
فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی لکھنؤ سے منظور کرایا ہے۔ اس پروجیکٹ
کی خوبی یہ ہے کہ اس میں غیر مسلم شعراء نے مسلمانوں سے متعلق
موضوعات پر جو رشحات سخن موزوں کئے ہیں، نیز مسلم شعراء نے
غیر مسلموں سے متعلق موضوعات پر جو کچھ نظم کیا ہے اسکو کتابی
شکل میں لایا جا رہا ہے۔ جناب جلال افسر کی یہ منظوم کوشش
بھی شاید اسی طرح کی کاوش ہے جو قومی اتحاد و یک جہتی کے مشن کو
تقویت دے کر اس کا ابلاغ و ترسیل کرتی ہے۔

مہابھارت کی افادیت، وقعت اور عظمت کا اس سے بڑا اور
کیا ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے کہ دورِ جدید میں اسے ٹی وی پر قسط وار
دکھایا جا رہا ہے اور نہ صرف ہندو بلکہ کثیر تعداد میں مسلمان بھی
اس سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

سید اختر الاسلام

ہدیۂ تبریک

از- جناب آچاریہ مکتیش ماتھر۔ منیجر آچاریہ مکتیش حکیم رئیس ہائر سکنڈری اسکول سنبھل

مہابھارت ہزاروں سال پہلے دو وچار دھاراؤں کا مکمل یدھ تھا لیکن اس کا انجام ایک ایسے نظام کی شکل میں دکھائی دیا جو اس دنیا کے لئے پرسکون اور آرام دہ زندگی دے سکا - آج بھی مذہب، زبان اور مالی درندگی کے ماحول میں جناب افسر سنبھلی کا یہ مہابھارت لکھنے کا انوکھا کارنامہ موجودہ بھارت میں انسانوں کے سوچنے کے طریقے کو ملک وقوم کے مطابق موڑ دے سکے گا میرے خیال میں یہ ایک ایسا کام ہے جو اردو ادب کے ذریعہ بہت پہلے ہونا چاہیئے تھا۔

جناب افسر سنبھلی اس کوشش کے لئے ہزار ہا مبارکباد کے مستحق ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ وہ آگے بھی اس طرح کی کوششیں کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ خدا حافظ

مرحبا

جناب رامچندر سنگھ ورما
صدر ہندی پرکاشن منچ، سابق صدر آریہ سماج سنبھل

مسلم شعرا میں غالباً جلال افسر پہلے شخص ہیں جنھوں نے مہابھارت کی داستان کو نظم کیا ہے۔ اسے پڑھ کر احساس ہوا کہ میرے نگر سنبھل میں بھی کچھ ایسی پاکیزہ، فہیم زبان و سازگار ادب ہستیاں موجود ہیں جو اخلاق و معیار کا مرکز و محور ہیں۔
افسر صاحب نے منظوم مہابھارت لکھ کر اپنے وسیع و معیاری مرتبے کو اور بلند کیا ہے۔

شاباش جلال افسر شاباش جواں شاعر
تعریف سے مستثنیٰ تصنیف تری طاہر

نذرانہ خلوص

جناب عالم قریشی۔ سکریٹری بزمِ سخن مرادآباد

شاعرِ شیریں بیاں، خوش فکر، معمارِ سخن
جس سے قائم ہے ادب کے شہر میں فن کا چلن
آبیاری کرتا آیا ہے نئے انداز سے
ہم جلال افسر کو عالم کہتے ہیں یوں روحِ فن

سنوار دے گا یقیناً یہ دورِ مستقبل
تقاضے اور ہی کچھ ہیں خلوصِ پیکر کے
زمانہ کہتا ہے عالم چٹان جیسے ہیں!
ارادے شاعرِ فطرت جلال افسر کے

حمد باری تعالیٰ

اے شہنشاہِ زمین و آسمان و بحر و بر
آب و خاک و باد و آتش ہیں ترے زیرِ اثر
مہر و ماہ و کہکشاں میں نور ہے یا رب ترا ٭ رتبۂ عالی بیاں سے دور ہے یا رب ترا
معترف ہیں ذات کے تیری سبھی پیر و جواں ٭ ذکر ہے چاروں طرف تیرا زمیں تا آسماں
تو ہر اک شے پہ ہے قادر تیرا ہر شے پہ ہے راج
روبرو جھکتے ہیں تیرے بادشاہوں کے بھی تاج
تو زمانے میں بہت سے نام سے مشہور ہے
تیرے جلوے سے منوّر قلب کوہِ طور ہے
میں ترا ناچیز بندہ اور تو خالق مرا
ہے یقیں کامل، سُنے گا تو مرے دل کی صدا
یا خدا میرے قلم کو تو روانی بخش دے
ذہن کو بے ساختہ لفظ و معانی بخش دے
لکھ سکوں قرطاس پر تاکہ میں ایسی داستاں
درس لیں جس سے زمانے کے سبھی پیر و جواں
اور پھر قائم ہو دنیا میں کوئی ایسا سماج
حضرتِ انساں کے دل پر ہو صداقت کا ہی راج

منظوم مہابھارت

ہستناپور کی کہانی ہے وہاں دو بھائی[1] تھے
ایک نابینا تھے دیگر صاحب بینائی تھے
دونوں بھائی پرتو نورِ نگاہِ شاہ تھے
اور جنتا کی نظر میں دونوں ہی ذیجاہ تھے
شاہ جب رخصت ہوا دنیا سے تو اٹھا سوال
کون کر سکتا ہے ملک و قوم کی اب دیکھ بھال
عالموں کے سامنے جب مسئلہ رکھا گیا
کافی غور و خوض کرنے پر ہوا یہ فیصلا
اندھا ہونے کے سبب پہلے کو مستثنیٰ رکھو
اور چھوٹے بھائی کو سب لوگ راجہ مان لو
اس طرح پانڈو کو آخر تاج والد مل گیا
خردہ یہ سُن کر سبھی کا غنچۂ دل کھل گیا
راج میں اس کے خوشی سے جھومتے تھے خاص عام
قابلِ تعریف تھا اس کی حکومت کا نظام

[1] دھرت راشٹر اور پانڈو - [2] وچتر ویر

اُس نے لوگوں کی بھلائی کے لئے سب کچھ کیا
دلئے قسمت وہ مگر بیچارہ کم ہی دن جیا
وقت مُردن کوئی بھی بالغ نہ تھا اس کا پسر
اس لئے رکھی وزیروں نے حکومت پر نظر
اور نابینا کے حق میں کر دیا فی الحال راج
مطمئن تھا اس طرح بھی ہتنا پور کا سماج
کل گرو نے جب یہ دیکھا لوگ ہیں شیر و شکر
دلش میں امن و اماں ہے سب ہیں بے خوف و خطر
تب اُنہوں نے یہ کہا سب سے بطور راہبر
پہلے بچّوں کو سکھانا چاہیئے علم و ہنر
پھر انہیں باقاعدہ دی جائے ساری تربیت
تب دیا جائے بڑے کو تاج حسب اہلیت
کل گرو کے مشورے سے متفق تھا ہر بشر
کیونکہ تھی سب کی نظر میں ذات اقدس معتبر
اس لئے بچے درونڑاچارجی کو دے دیئے
جیسے جیسے وقت گزرا وہ بڑے ہونے لگے
پڑھ کے استاد زماں سے دین و دنیا کے نصاب
ہو گئے ذی علم و فن آیا جہاں اُن پر شباب

دھرت کے فرزند سو[1] تھے پانچ پانڈو کے پسر
جن کو کورو اور پانڈو کہتا تھا سارا نگر
دھرت نے رکھے تھے اپنے بیٹوں کے اسطرح نام
چتر، چار چتر، دُر مکھ، بھیم بل، دُس سہ، سنام
وِنند، دریودھن، دُشاسن، وات ویگ وکنڈ شائی
بھیم ویگ اور ستم بھی تھے ان کوروں میں ویر بھائی
دُردوچن، چتر درما، شل، سلوچن، چتر وان
اُگر، کنڈ ہی، ویر باہو، ننند، دُش شل تھے مہان
اور سہ، پاشی، الو در، اُگر شروا، ستیہ سندھ
دُش پراجے، ستو، کر تھن، چتر آیدھ بھائی بندھ
چتر کنڈل، بھیم رتھ، ننند، در آدھر، درڑھ سندھ
کنڈ بھیدی، درڑھ درما سب میں تھی ویروں کی گندھ
ناگدت، جل سندھ، دُر بھر شر، کنڈ آشی، ویر گوباہ
ویر گھ ورما، اگر پائی، رودر کرما اور سباہ
تھے مہا باہو، ابھے، کب جی، کنک دھج، اگر سین
ورجا، دشبیر دھرشنا، برمتھ، اپراجت، سو شین

[1] دھرت راشٹر کی دش رانیوں سے سو بیٹے تھے، یہاں جن کے نام
نظم کرنے میں تسلسل کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔

سوم گرتی، دُردھ وش، چترانگ، بل دردھن ملاک
کنڈدھار، آدتیہ کیتو، اگرایدھ، سدسباک
دُروگہ، اُپ نند، سینانی، دیوڈھور یسک مست
درڑھ چھتر، چتر اکش، آنو وند، دکھانن، سوہست
آیوباہو، درڑھ رکھ آشر، مہودر، ادرٹ ناب
پرمتھی، آنادھرشیہ، بادواشی لاجواب
ورندارک، آکولب، دشکرٹ، اُپ چترودکرٹ
انمیں ہی سے تھے وراٹھی جی، سورچا اور کرٹ
تھے جراسندھ دسورما اور دو تسو بھائی بیر
درڑھ ہست انمیں شراسن اور دوشنی بےنظیر
ایک تھے انمیں یُیتسو اک انشگی اک وشال
اسطرح پھیلا ہوا تھا دھرت کے بیٹوں کا جال
پانچ تھے پانڈو یدھشٹر، بھیم اور ارجن مہان
نکتی نکل، سہدیو کی بھی دیرتا میں آن بان
کردیا سب کو درونڑاچاریہ جی نے باہنر
ہوگئے ہتھیاروں کے فن میں سبھی ماہر مگر
بھیم اور ارجن بنے ان سب میں مہر و ماہتاب
اک گدادھاری نشانہ دوسرے کا لاجواب
دیکھ کر مقبولیت دونوں کی دریودھن جلا

اور ان کو مارنے کا کر لیا پھر فیصلا
اس نے خفیہ طور پر بنوایا اک ایسا محل
جس میں ہر سو لاکھ تھی جو آنچ سے جائے پگھل
اس محل میں پانڈووں کو کر دیا اس نے مقیم
اور پھر بھیجا محل میں آگ دینے کو ندیم
پانڈووں کو چل گیا تھا پہلے ہی اس کا پت
اس لئے وہ تک رہے تھے راستہ اُس وقت کا
جب لگانے آگ کوئی اس محل میں آئے گا
خود شکار اس آگ کا وہ فتنہ گر ہو جائے گا
ہو گیا اس وقت رخصت پانڈووں کا انتظار
جب محل میں آگ دینے کو گھسا وہ نابکار
پانڈووں نے آگ دیدی اس سے پہلے قصر کو
اور خود نو دو گیارہ ہو گئے، آگے سنو
جو جلانا چاہتا تھا قصر وہ خود جل گیا
لاکھ کا رنگیں محل بھی دم زدن میں گل گیا
پانڈووں نے پھر یہ سوچا دشمنی اچھی نہیں
اس لئے بہتر ہے رہیئے دور ظالم سے کہیں
چلدیئے وہ نیکدل اپنا علاقہ چھوڑ کر
حیف اپنی جائے پیدائش سے رشتہ توڑ کر

اس طرف مظلوم یہ مضطر تھے غم سے چور تھے
اور کورو اس طرف خوش تھے بہت مسرور تھے
وہ سمجھتے تھے کہ پانڈو جل گئے ہوں گے ضرور
ان کو کیا معلوم تھا موت ان سے ہوگی اتنی دور
پھر رہے تھے گو کہ وہ صحرا بہ صحرا رات دن
تھے مگر وہ فیصلے سے اپنے پھر بھی مطمئن
وہ سمجھتے تھے کہ شر سے دور رہنا ہے مفید
اور یوں رنج و الم ہجرت کا سہنا ہے مفید
اس لئے پانچوں بہ اطمینان بے خوف و خطر
دشت میں طے کر رہے تھے زندگانی کا سفر
ان کو کوئی فکر لاحق تھی نہ تھا دشمن کا ڈر
تب ملی ان کو خبر یہ روح افزا معتبر
ہو رہا ہے اک سوئمبر ان دنوں پانچال میں
ہر کوئی یہ چاہتا ہے ہم سوئمبر جیت لیں
سُن کے یہ پانچوں برادر شان سے پہنچے وہاں
ہونے والا تھا جہاں تیر افگنی کا امتحاں
تھے وہاں موجود پہلے سے ہزاروں پہلواں
خوبصورت شاہزادے اور صدہا حکمراں
کوئی تیر انداز تھا مانا ہوا کوئی جری

شرط بھی لیکن سوئمبر کی کوئی آسان نہ تھی
شرط یہ تھی تیل میں مچھلی کا سایہ دیکھکر
تیر مچھلی پر چلائیں اور رہے نیچی نظر
تیر سیدھا آنکھ میں مچھلی ہی کی جا کر لگے
گھومتی ہے چکر کے ہمراہ جو اک چال سے
ہو گئے اس شرط پر ناکام جب سارے جوان
دیدیا ارجن نے بھی تیر افگنی کا امتحان
تیل میں ارجن نے دیکھی گھومتی مچھلی کی آنکھ
اور نشانہ یوں لگایا پھوڑ دی مچھلی کی آنکھ
جتنے تیر انداز تھے سب کو ہوئی شرمندگی
اور مطابق شرط کے ارجن نے پائی دروپدی
اس طرح تیر افگنی کا اپنی دے کے امتحان
پانڈو رخصت ہوئے سسرال سے باعزّ وشان
اس طرف یہ علم بھی سب کوروں کو ہو گیا
آج تک زندہ ہیں پانڈو پتر عالی حوصلا
اسلئے سب کوروں نے مل کے سوچا ایک بار
بڑھ گیا ہے پانڈووں کا اس سوئمبر سے وقار
اب تو فتح وکامرانی ہر قدم پر ساتھ ہے
ایسا لگتا ہے کہ سر پر ان کے غیبی ہاتھ ہے

ہے عروج ان کا نہ لیں یہ ہم سے کل کا انتقام
بخش دیں ان کو بھی آدھی سلطنت کا انتظام
کر کے طے آپس میں بھیجی پانڈووں کو یہ خبر
بھول کر ماضی کی باتیں لوٹ آئیں اپنے گھر
اور گھر آکر سنبھالیں نصف حصّہ کا نظام
منتظر ہیں آپ لوگوں کے یہاں پر خاص و عام
سن کے یہ پیغام پانڈو خوش ہوئے بے اختیار
اور ان کے مضطرب دل کو ملا صبر و قرار
آ گئے جب ہستناپور تو ہوا وعدہ وفا
نصف حصّہ سلطنت کا پانڈووں کو مل گیا
کام دریودھن نے چالاکی سے اس میں یہ کیا
ہستناپور خود لیا اور ان کو جنگل دے دیا
جوگیوں سے مارے مارے تھے جو کل تک پھر رہے
آج وہ اک راج کے والی و وارث ہو گئے
پانڈوں کے قبضے میں حالانکہ تھے سب جنگلات
ان کے دل کے حوصلوں کی تھی مگر کچھ اور بات
اہلِ ہمت ہی نہیں تھے وہ تو محنت کش بھی تھے
کچھ دنوں میں صاف اُنہوں نے سارے جنگل کر دیئے
صاف کر کے دشت کو اس جا بسایا ایسا شہر[1]

[1] اندر پرستھ نامی شہر۔

جشن سے جس کے خجل تھا ہند ہی کیا سارا دہر
دامنِ صحرا انہوں نے رنگ و بو سے بھر دیا
مختصر یہ غیرتِ گلزار جنگل کر دیا
رفتہ رفتہ اس نگر کا چار سو شہرہ ہوا
اور بہت ہی جلد پھر اک وقت ایسا آ گیا
ملک بھر میں چھا گیا یوں اس نئی بستی کا نام
ہو گیا اس شہر کا ہر شہر سے بڑھ کر مقام
رفتہ رفتہ اس کے گن گانے لگے سب خاص و عام
ہو گئے پھر پاس کے راجہ بھی اس کے زیرِ دام
جشنِ فتح و کامرانی کا ہوا اکثر اہتمام
جس میں راجہ کر رہے تھے نوکروں کی طرح کام
پانڈووں نے جشن میں یہ بھی دکھایا تھا ہنر
آب خشکی اور خشکی آب آتی تھی نظر
جشن کے موقع پہ دریودھن بھی پہنچا اس جگہ
دیکھ کر رونق وہاں کی رہ گیا حیرت زدہ
دفعتاً اس کو محل میں ایک ٹھوکر لگ گئی
اور پھسل کر گر گیا پانی میں وہ یودھا جری
اتفاقاً دیکھتی تھی دروپدی یہ سانحا
کھلکھلا کر ہنس پڑی جیسے ہی دریودھن گرا

دروپدی کو خود یہ ہنستے دیکھ کر وہ جل اٹھا
دیکھتے ہی دیکھتے پھر لال پیلا ہو گیا
دل ہی دل میں وہ یہ بولا میرا دریودھن ہے نام
اس ہنسی کا ایک دن لوں گا یقیناً انتقام
اس کی یہ ہمت اڑایا اس نے میرا مضحکہ
جلد ہی اس بدتمیزی کا چکھاؤں گا مزہ
ٹھان کر یہ دل میں اپنے کام میں وہ لگ گیا
کیونکہ اس دم بولنے کا کوئی بھی موقع نہ تھا
تھوک کر غصہ بظاہر گھونٹ خوں کے پی گیا
اس طرح اس نے کیا اظہار اپنے ضبط کا
جشن کی رسمیں تھیں جتنی ہو گئیں جب سب تمام
راج سوئی یگیہ کا بھی ہو گیا تب اختتام
جتنے راجہ آئے تھے وہ سارے واپس ہو گئے
پھر ہوا یہ سارے پانڈو عشرتوں میں کھو گئے
حالت و ماحول دریودھن نے سب پہچان کر
داؤ ان پر یوں کیا موقع غنیمت جان کر
دی جوئے کی سب کو دعوت اسنے شاہی شان سے
اور وہ دعوت پہ اس کی ہستناپور آ گئے
ہستناپور میں جوئے کا شغل یوں ہونے لگا

اک بشر پانے لگا تو دوسرا کھونے لگا
کورووں نے پانڈووں کو کھیل میں دیکر فریب
دیکھتے ہی دیکھتے خالی کرالی ان کی جیب
پھر جوئے کے کھیل میں ایسی بھی اک بازی لگی
جس میں پانڈو ہار بیٹھے تخت و تاج و دروپدی
ساتھ ہی کرنا تھا ان کو داس بن کر بن نواس
بارہ کا بنواس اور اک سال کا اگیات واس
پانڈووں کو پاس تھا اپنی زباں کا اس لئے
وہ مطابق شرط کے جانے کو آمادہ ہوئے
دروپدی کو جیتنے کے بعد دریودھن اٹھا
اور پھر اس نے دشاسن کو بلا کر کچھ کہا
حکم پاکر دروپدی کے پاس پہنچا وہ معاً
اور سبھا میں کھینچ کر لے آیا اس کو بدچلن
رو رہی تھی دروپدی بزم طرب میں زار زار
پر کوئی سنتا نہیں تھا اس بیچاری کی پکار
دروپدی سے بولا دریودھن شقی اے گلعذار
مضطرب مت ہو نہ رو اب اس طرح زار و قطار
تیرے شوہر ایک بازی میں تجھے بیٹھے ہیں ہار
اسلئے اب تو مری داسی ہوئی جانِ بہار

لہ چھپ کر رہنا

دروپدی نے سن کے ساری گفتگو اس سے کہا
مجھ کو بازی پر لگانے کا انھیں حق ہی نہ تھا
کیونکہ خود کو ہارنے کے بعد مجھکو ہارنا
ہے اصولوں کے منافی یا نہیں بولو ذرا
سن کے اس کی بات ہر سو خامشی سی چھا گئی
کرن کو اس وقت شاید کچھ لجاجت سی ہوئی
اس لیئے وہ زور سے چیخا کہ ہے یہ بے حیا
چار شوہر اور بھی ہیں اس کے ارجن کے سوا
ملتا ہے ویدک کتب میں ایک ہی شوہر کا ذکر
لیکن اس کو کچھ نہیں ہے مذہبی باتوں کی فکر
اس لیئے دی جائے اس کو سخت تر سنگین سزا
رائے میں میری اسے فوراً ہی کر دو بے قبا
کرن کا پاکر اشارہ پھر دُشا سن ہی بڑھا
اور یہ چاہا کہ کر دے دروپدی کو بے قبا
اس نے جب ساڑی کو کھینچا دروپدی کی برملا
بھیم کو غصہ بہت آیا مگر مجبور تھا
اس نے دریودھن سے آنکھوں آنکھوں میں کی التجا
جانگھ اپنی کھول کر جس کا جواب اس نے دیا
اس طرح اس نے چڑایا بھیم کو دربار میں

بہہ گیا خود وہ غرور و تمکنت کی دھار میں
بھیم نے اس دم قسم کھائی کہ اس کی جانگھ کو
توڑ دینا ہے مجھے اک روز چاہے کچھ بھی ہو
بھیم کے کہنے کا جب دیکھا اثر الٹا ہوا
درو پدی نے اس گھڑی بھگوان سے کی التجا
التجا پر اس کی بھگوان نے دکھایا معجزہ
دیکھ کر ہر اک بشر جس کو ہوا حیرت زدہ
جتنی ساڑی کھولتا تھا اتنا ہی بڑھتا تھا چیر
تھک گیا وہ آخرش لیکن نہ کھل پایا شریر
دھرت کو جب یہ خبر پہنچی تو وہ آئے وہاں
ہو رہا تھا حشر برپا قبل از محشر جہاں
ہو چکی تھی درو پدی اس وقت تک بالکل نڈھال
پھر بھی ان کے سامنے اس نے رکھا اپنا سوال
جس کو سن کر دھرت نے فوراً وِدُر سے یہ کہا
روشنی میں اپنے مذہب کی سناؤ فیصلا
سوچ کر بولے وِدُر " اپنا سرا پا ہار کر
درو پدی کو رکھ نہیں سکتے یدھشٹر داؤ پر"
دھرت نے سب بات سن کر درو پدی سے یہ کہا
تو مری اچھی بہو ہے بھول جا جو بھی ہوا

تجھ پہ جو گزری ہے اس کا مجھ کو کافی ہے قلق
مجھ سے جو بھی مانگنا ہو مانگ لے تجھکو ہے حق
دروپدی نے التجا کی سوچ کر ہر ایک بات
آپ پانچوں بھائیوں کو دیں غلامی سے نجات
رحم غالب آ گیا اس طرح ظلم و جور پر
ہو گئے آزاد پانچوں بھائی فوری طور پر
پا کے چھٹکارا غلامی سے انہوں نے یہ کہا
دروپدی کو ساتھ لے کر کھائی جنگل کی ہوا
اس طرح تیرہ برس وہ ملک سے باہر رہے
اور غربت میں ہزاروں طرح کے دکھ بھی سہے
ایک بار ان کو پڑا جو تشنگی سے سابقہ
ہو گئے ہوش و حواس اسوقت ان کے باختہ
قوتِ برداشت کا مہتاب جب دھندلا گیا
تب نکل کو جستجو میں آب کی بھیجا گیا
اس نے دوڑائی گھنے جنگل میں ہر جانب نظر
اور چھانا اک طرف سے دشت پُر خوف و خطر
مل گیا آخر اُسے نزدیک ہی شفاف تال
دشت میں ثانی تھا جس کا اور نہ تھی کوئی مثال
پیاس سے وہ اس گھڑی کچھ اس قدر بیتاب تھا

اُس کی نظروں میں سبھی سے قیمتی شے آب تھا
جیسے ہی کاسے میں اُس نے تال کا پانی بھرا
تال سے نکلی کسی انسان کی بھاری صدا
حاکمانہ طرز میں کہتا تھا کوئی اے جوان
میں ہوں مالک تال کا یہ ہے مرے زیرِ عنان
چاہیئے تجھ کو مرے تالاب کا پانی اگر
دے سوالوں کے مرے مجھ کو جواب اے باہنر
پیاس میں اُس نے صدا کی کوئی بھی پروا نہ کی
وہم اس کو جان کر دی سُنی بھی اَن سُنی
اور اس تالاب کے پانی کو وہ پینے لگا
پانی پینا تھا کہ وہ بیہوش ہو کر گر پڑا
یہ یہاں بے جان، بے حس اور بے حرکت ہوا
اُس طرف تشنہ لبی کا اور پارہ چڑھ گیا
جب نکل کو لوٹنے میں دیر کافی ہو گئی
تب یدھشٹر کو ہوئی اس کی طرف سے فکر سی
نوجواں سہدیو کو بھیجا کہ وہ ڈھونڈے اُسے
اور جتنی جلد ممکن ہو یہاں لائے اُسے
اِس طرف سہدیو نکلا اس کو بن میں ڈھونڈنے
اُس طرف کچھ اور ہی تھے پیچ وخم تقدیر کے

چند ساعت بعد ہی یہ نوجواں پہنچا وہاں
بے حس و حرکت نکل کا جسمِ خاکی تھا جہاں
اس کو بھی بالکل وہی آواز آئی بڑ ملا
اور اس نے بھی نہ کی آواز کی پروا ذرا
الغرض جب تال کا اس نے بھی پانی پی لیا
ہو گئے تب وہ بھی نکل کی طرح بے دم گر پڑا
باری باری بھیم اور ارجن بھی جا پہنچے وہاں
تھے جہاں بے جان سہدیو اور نکل سے نوجواں
کر نہ پلٹے جب یہ دونوں بھائی بھی اس کے سوال
ہو گیا ان کا بھی پہلے بھائیوں کی طرح حال
جب کوئی بھائی نہ لوٹا تب یدھشٹر خود اُٹھے
اور اپنے بھائیوں کی کھوج میں پھرنے لگے
جب وہ پہنچے تال کے نزدیک تو دیکھا یہ حال
ان کے چاروں بھائی ہیں بیہوش، بے حس اور نڈھال
دیکھکر حالت دگرگوں وہ پریشاں ہو گئے
اور پھر سنبھلے سنبھل کر غور یہ کرنے لگے
میرے چاروں بھائی ہیں بے مثل یودھا اور جری
ان کی یہ درگت نہیں کر سکتا کوئی آدمی
ہو نہ ہو یہ حال ان کا پیاس کے باعث ہوا

اس لئے لازم ہے پہلے دوں انھیں پانی پلا
سوچ کر یہ بات جب وہ تال میں داخل ہوئے
اور اپنے کاسے میں انمول جل لینے لگے
ان کے کانوں میں بھی تب آئی اک ایسی ہی صدا
ہو رہی تھی ایک بگلے کی زباں سے جو ادا
بات یہ سنتے ہی بگلے کی یدھشٹر نے کہا
میرے چاروں بھائیوں کی ہے شجاعت خادما
ان پہ کوئی عام انساں فتح پا سکتا نہیں
اس لئے مجھ کو دکھاؤ اصلیت اپنی یہیں
سُن کے یہ بگلا حقیقی روپ میں ظاہر ہوا
اور پھر اس نے یدھشٹر پر یہ واضح کر دیا
جو نہیں دے پائے گا میرے سوالوں کا جواب
پی نہیں سکتا وہ ہرگز تال کا شفاف آب
جو کوئی کرتا ہے میری شرط کی ضد میں مجال
اس کا تیرے بھائیوں کی طرح ہو جاتا ہے حال
اس لئے تجھ کو اگر پینا ہے پانی تال کا
دے سوالوں کا مرے مجھ کو جواب اے باحیا
یکش کی تنبیہہ پر بولے یدھشٹر سوچ کے
میں ابھی دوں گا جواب ایک ایک کا فرمایئے

جب یدھشٹھر چپ ہوئے تو یکش نے ان سے کہا
"کون سی شے ہے زمیں سے بھی بڑی مجھ کو بتا
عرش سے اونچا ہے کیا اور کیا ہوا سے تیز ہے؟
دہر میں کیا شے ہے جو سب سے تعجب خیز ہے؟
کس طرف ہے راہِ حق اور کون ہے سب سے سکھی؟
دے جواب اِن سب سوالوں کا صحیح مجھ کو ابھی
یکش سے بولے یدھشٹر سنئے اک اک کا جواب
مرتبہ عالی ہے ماں کا ارض سے بھی اے جناب
باپ کا رتبہ بلندی میں فلک سے بھی بڑا
تیز رفتاری میں ذہن و دل سے پیچھے ہے ہوا
زندگی پل بھر میں مٹ سکتی ہے یہ بھی جان کر
چیرتا ہے زندگی کے واسطے انسان سر
آرزوئے زلیست ہے ہر گاؤں میں ہر شہر میں
اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا تعجب دہر میں
جس طرف جائیں ولی راہِ صداقت ہے وہی
ماورائے قرض ہے جو شخص وہ سب سے سکھی"
ایسے ہی کچھ اور بھی پوچھے یدھشٹر سے سوال
دیدیئے جن کے جواب ایک ایک کر کے بے مثال
یکش نے تسلیم کر لی آخر ان کی اہلیت

اور خوش ہو کر کہا " پانی پیؤ اے باصفت
اور یہ بتلاؤ چاروں میں کسے زندہ کروں
ایک کا میں ختم کر دوں گا ابھی حالِ زبوں"
سُن کے اس کی بات سوچا اور کچھ پانی پیا
پھر یدھشٹر نے کہا " بھائی نکل کو دو جلا
اس طرح مل جائیگی دونوں کو بیٹوں کی خوشی
کیونکہ میری مادرِ ثانی کا بیٹا ہے یہی"
سُن کے جذباتِ اُخوّت یکش کافی خوش ہوا
اور پھر اس نے یدھشٹر سے بذاتِ خود کہا
" تجھ سے ملکر ہے مسرت جذبہ سُن کر ہے خوشی
اس لئے جو چاہتا ہے مانگ لے مجھ سے ابھی"
اُس کے یہ الفاظ کہنے پر یدھشٹر نے کہا
میرے باقی بھائیوں کو زندگی کر دو عطا
یکش نے فوراً کہا " ایسا ہی ہو ایسا ہی ہو"
اور پھر یہ بھی کہا جاؤ ہمیشہ خوش رہو
اس طرف اپنی زباں سے اس نے یہ جملے کہے
اُس طرف چاروں برادر پھر سے زندہ ہو گئے
پانڈووں نے دن گزارے یوں مصائب جھیل کر
کر لیا بنواس پورا حادثوں سے کھیل کر

اک برس لاعلم رہنے کا جو تھا وہ بھی ہوا
چل نہ پایا کوروؤں کو سال بھر ان کا پتا
وقت پورا کر کے اپنا لوٹ آئے پھر وہیں
بعد مدت کے ملی ان کو وطن کی سرزمیں
ہستنا پور کی حدوں میں آ گئے جب سارے بیر
اپنے تایا کے حضور ان سب نے بھیجا اک سفیر
جسنے جاکر دھرت سے کی عرض با عزّ و ادب
آپ کے پانچوں بھتیجوں کی ہے یہ درخواست اب
ان کو اپنے راج کا تھوڑا سا حصّہ بانٹ دیں
اور جو حائل بنے کوئی تو اس کو ڈانٹ دیں
سُن کے ساری بات کو وہ اپنے بیٹے سے ملے
اور پوچھا یہ کہ کیا قاصد سے کہنا چاہیئے
اس پہ دریودھن یہ بولا آپ اس کو بھیج دیں
میں بتا دوں گا اسے خود آپ کیوں زحمت کریں
بات دریودھن کی سُن کر دھرت واپس آ گئے
اور قاصد سے یدھشٹر کے وہ یوں کہنے لگے
تم مرے سب سے بڑے فرزند سے جا کر ملو
اور اپنا قصد اس کے روبرو واضح کرو
تب وہ دریودھن پہ پہنچا دھرت کا سنکر جواب

اور اس پیغام کا اس نے کہا لب لباب
سن کے ساری بات دیوردھن نے پوچھے کچھ سوال
اور پھر اُس نے کہا وہ چھوڑ دیں اپنا خیال
نام دریودھن ہے میرا جانتا ہوں میں سبھی
سوئی کے نکوے برابر بھی نہ دونگا پرتھوی
التجا ان کی ہر اک بے فیض ہے بے کار ہے
خوف کیا مجھ کو جوان کے ہاتھ میں تلوار ہے
آخرش اس نے یدھشٹر کو یہی کہلا دیا
حکمراں ہوں میں یہاں کا یہ ہے میرا فیصلا
ان کو رہنا ہو تو میری حکمرانی میں رہیں
اور میرے راج کے کاموں میں میرا ساتھ دیں
پانڈووں نے پھر دوبارہ اس کو بھیجا یہ پیام
آپ ضد سے باز آئیں چھوڑ دیں تھوڑا مقام
جانتے ہیں آپ تو کل راج کے وارث ہیں ہم
یہ حرّیت ہے طلب کرتے ہیں دھرتی کم سے کم
جانتا تھا یہ تو دیوردھن بھی وہ ہیں مستحق
جان کر رکھتا تھا پھر بھی ان کے چہرے غم سے فق
اس لئے انکار اس نے صاف لفظوں میں کیا
اور ان کو جتنا ہو سکتا تھا اتنا دکھ دیا

بوالہوس نے جب یہ چاہا لوٹ لے آرام چین
تب مقابل آ گئے ظلم و ستم کے بھیم سین
اک طرف حق مانگنے والے تھے حق گو حق نگر
دوسری جانب تھے ظالم، منکرِ حق، بد نظر
دونوں جانب سے لڑائی کی ہوئیں تیاریاں
اک طرف سچائیاں تھیں اک طرف عیاریاں
دونوں نے امداد مانگی پاس کے راجاؤں سے
ہمنوا بلوائے قرب و دور شہر و گاؤں سے
الغرض دریودھن کے جتنے تھے بڑے مسرور تھے
نشے میں طاقت کے سارے چور تھے مغرور تھے
اس کی جانب بھیشم دادا فوج کے سردار تھے
بھیم دیگر سمت کی افواج کے سالار تھے
پانڈوؤں کے ساتھ میں تھا کنبۂ سو گھور بھی
جن میں ہر اک تھا بہادر حوصلہ مند و جری
دروپدی کے مائیکے والے بھی ان کے ساتھ تھے
جو مشابہ تھے شجاعت میں بھیانک شیر کے
ان میں تیر انداز تھے کچھ اور کچھ تھے تیغ زن
مختصر یہ ہے کہ لشکر بھیم کا تھا صف شکن
کوروؤں کے ساتھ صدہا منتخب سردار تھے

اشو تھاما، سومدت ان کے تعاون کار تھے
الغرض دونوں طرف افواج سے میدان سجا
شنکھ کی آواز گونجی اور نرسنگھا بجا
جنگ کے میدان میں جتنے بھی تھے پیر و جواں
ان میں ہر اک تھا بہادر، شمشیر دل اور پہلواں
جب یدھشٹر اور نکل، سہدیو کا پونڈر بجا
کیا حقیقت تھی زمیں کی آسماں بھی گونج اٹھا
کرشن جی نے جب بجایا اپنا ناقوس وغا
کوروں کی فوج میں اک زلزلہ سا آگیا
دفعتاً نعرہ لگایا کوروں نے زور سے
گونج اٹھی رزم گاہِ پانڈو بھی شور سے
پھر ہوا یہ چل پڑے طرفین کے تیر و کماں
ہر طرف ہونے لگیں میدان میں تیر اندازیاں
کاش دریودھن نہ کرتا غیر انصافی، ادھرم
ہو نہ پاتا کشت و خوں کا اس طرح بازار گرم
دیر ارجن نے لیا جب رزم گہہ کا جائزہ
اس کے دل میں جاگ اٹھی انسیت اور ماتا
جب یہ دیکھا بھائی رشتے دار چیلے اور گرو
جنگ کے میدان میں ہیں سارے باہم جنگجو

اس نے سوچا مرتیں کیوں یہ عزیز و اقربا
یہ بھی کوئی عقلمندی کی علامت ہے بھلا
مارنا اپنے عزیزوں کو ہے فعل ناروا
جب نہ ہوں گے خویش تو جینے میں کیا لطف آئیگا
یہ تو ممکن ہے کہ اک بھائی کو ہو بھائی سے بیر
بھائیوں کا خون کب کرتے ہیں جو ہیں اہلِ خیر
میں بڑوں کا اپنے ہرگز مان لے سکتا نہیں
جان دے سکتا ہوں لیکن جان لے سکتا نہیں
کرشن جی سے جب کہا ارجن نے اپنا وسوسا
سُن کے ساری بات ارجن کی انہوں نے یہ کہا
فکرِ باطل کی نہ کر، بزدل نہ ہو، ناداں نہ بن
موت سے ڈرتے نہیں ہیں رہروِ حق جانِ من
حق امر ہے اس کا کوئی مارنے والا نہیں
اور باطل اپنی کوئی اہمیت رکھتا نہیں
اس لئے حق کی حفاظت فرض ہے ہر شخص پر
زندگی اور موت کا اس پر نہیں ہوتا اثر
کون ہے وہ جس کو ارجن ایکدن مرنا نہیں
کون ہے جس کو عدم کی راہ طے کرنا نہیں
جسمِ خاکی کی حقیقت کچھ نہیں ہے جان لے

روح صادق ہے حقیقت میں اسے پہچان لے
عنصری قالب کی ناداں فکر کرتا ہے عبث
جنگ سے باطل پرستوں کی تو ڈرتا ہے عبث
جس طرح انساں بدلتا رہتا ہے اپنا لباس
روح بھی بالکل یونہی اپنا بدلتی ہے تو اس
روح آتش سے کسی حالت میں جل سکتی نہیں
آب کیا سیلاب سے بھی یہ تو گل سکتی نہیں
اس پہ بادِ تند کا کوئی نہیں ہوتا اثر
کاٹنے میں روح کو عاجز ہے تیغِ تیز تر
مارنا اس کو الگ ہے دیکھنا بھی ہے محال
ہے وجود اس کا مرے نزدیک ارجن لازوال
اصلیت سے اس کی کوئی شخص بھی واقف نہیں
کوئی بھی انساں اس کا دہر میں عارف نہیں
جسم سے پرواز کر جاتی ہے یہ مثلِ پرند
جیسے اڑ جائے پری سی کوئی شئے از جام رند
فکر قالب کی نہ کر مردِ مجاہد باصفت
اہل حق کے واسطے اس کی نہیں کچھ حیثیت
راستی پر چلتے چلتے جو بشر مر جائے گا
کیا بتاؤں خلد میں وہ شخص کیا کیا پائے گا

چھتّری کا کام یہ ہے راہِ حق پر مر مٹے
ورنہ اس پر تیر برسیں گے ہمیشہ طنز کے
تو بہادر ہے مثالی اور تیرا انداز بھی
اور پھر تو تو ہے ارجن خاندانی چھتّری
ایسی حالت میں کرے گا جنگ سے گر اجتناب
شرم سے ہوتا رہے گا تو ہمیشہ آب آب
تیرا ڈر کر بھاگنے والوں میں پھر ہوگا شمار
اور تو ہر دم رہے گا دشمنوں سے شرمسار
مضحکہ بنتا رہے گا تیرا تا وقتِ اجل
اس لئے ارجن تو اپنا وسوسہ فوراً بدل
کود پڑ میدان میں اور جنگ کے جوہر دکھا
سلطنت تجھ کو ملے گی یا کہ جنت کی ہوا
کامیابی خود کرے گی تری ہر سو جستجو
فرض پورا کر نہ رکھ دل میں صلہ کی آرزو
توڑ کر دل کا تعلق ثمرۂ اعمال سے
کر عمل میری نصیحت پر تو استقلال سے
نقشِ باطل صفحۂ ہستی سے جب مٹ جائیگا
تیرے اندر عارفِ کامل کا جذبہ آئے گا
سُن کے یہ ارجن نے پوچھا مجھ کو یہ بتلایئے

عارفِ کامل کسے کہتے ہیں یہ سمجھائیے
سُن کے استفسار اسکا بولے یوں عالیجناب
عارفِ کامل کی نظر دل میں جہاں ہے ایک خواب
عارفِ کامل کی بابت کرشن جی نے پھر کہا
اسکا دل رہتا ہے ہر دم خواہشوں سے ماورئ
اسکو دنیا کی کسی بھی چیز سے الفت نہیں
عیش کی آرام کی اس کو کوئی چاہت نہیں
بس میں کر لیتا ہے اپنے وہ سبھی جذبے حواس
دونوں عالم ہوتے ہیں اسکے عمل سے روشناس
ترک احساسات کر کے دل پہ جو غالب ہوا
اہل دانش نے اُسی کو عارفِ کامل کہا
جس کسی کے دل میں ارجن علم وکیف ذات ہے
وہ بشر میری نظر میں فخرِ مخلوقات ہے
ذہن میں عرفانیت کا جس کے آ جاتا ہے نور
تیرگیٔ جہل اس کے ذہن سے ہوتی ہے دور
گردشِ ارض وسما کا اس پہ کیا ہو گا اثر
جس کا باطن نورِ حق سے جلوہ گر ہو سربسر
نورِ عرفاں یوں جلا دیتا ہے بد اعمال کو
جس طرح ارجن جلا دیتی ہے آتش ٹال کو

جس بشر کے ذہن کو حاصل ہو عرفانی شعور
خود بخود ہوتے ہیں اس کے سارے بداعمال دور
اسلئے فعل و عمل کی فکر تو کوئی نہ کر
جنگ کے میداں میں گھس کر کھیل بیخوف و خطر
روشن و تار تک دو ہیں راستے اے باصفت
اک طرف راہِ لقا ہے اک طرف محرومیت
گر پہنچنا چاہتا ہے منزلِ جاوید پر
دنیوی ماحول سے تو راستہ ہی ترک کر
دولت دنیا سے افضل پاک تر ہے معرفت
کسب سرمایہ سے اسکو کچھ نہیں ہے نسبت
معرفت کی تیغ سے باطل کی گردن کاٹ دے
لاشوں سے پھر اہل باطل کی تو رن کو پاٹ دے
پی لیا تو نے اگر ارجن شہادت کا کبھی جام
حق پرستوں میں لکھا جائے گا تیرا پاک نام
خلد میں تجھ کو ملے گا خویش سے برتر مقام
نام کبھی روشن رہیگا تیرا دنیا میں مدام
ذہن میں تیرے اگر حق کی محبت آئے گی
ثروتِ ہر دو سرا فوراً تجھے مل جائے گی"
پھول جب ناصح کے ہونٹوں سے برس کر تھم گئے

ذہن سے ارجن کے سارے وسوسے اڑ گئے
اُن نصیحت کے گلوں کی اس قدر خوشبو تھی تیز
ہو گیا بڑے عمل سے قلب ارجن عطر بیز
آپ کے پند و نصائح کا ہوا اتنا اثر
ہو گیا آمادہ جنگ و جدل وہ شیر نر
مٹ چکے تھے ذہن سے ارجن کے سارے وسوسے
ہو گیا یوں بر سر پیکار وہ جی جان سے
سامنے جتنے بھی اُس کے صاحب شمشیر تھے
وہ سبھی اس کے مقابل زرد و بے تاثیر تھے
جس طرف بھی مڑتا تھا وہ مہربن کر صف شکن
چاٹتے تھے خاک دھرتی کی ہزاروں تیغ زن
اُس نے چھلنی کر دیئے تیروں سے بے گنتی بدن
چند ہی گھنٹوں میں اُسنے بھر دیا لاشوں سے رن
الغرض اسنے جدھر بھی جس طرف بھی رُخ کیا
ہو گئے میدان میں صدہا کے سر تن سے جدا
تیر جو بھی پھینکتی تھی ویر ارجن کی کمان
وہ مقابل کے لئے بن جاتا تھا آتش فشاں
تیر یوں گرتے تھے جا کر دشمنوں کے درمیاں
جیسے گرتی ہیں کڑک کر قہر حق کی بجلیاں

بات انسانوں کی حد تک ہی تھی اس دم وہاں
گر رہی تھی ہاتھیوں گھوڑوں پہ بھی برق تپاں
کوروؤں کی فوج کا کیا حال تھا آگے سنیں!
مچ رہی تھی کھلبلی ہر سمت ان کی فوج میں
بھیم نے جبدم گھمائی جنگ میں اپنی گدا
رزم گہ میں اک طرح کا حشر برپا ہو گیا
برچھیاں ڈھالیں کٹاریں ٹوٹ کر گرنے لگیں
موت سے بس روحیں جا جا کر گلے ملنے لگیں
سر لڑھکتے تھے کہیں تو دھڑ تڑپتے تھے کہیں
خون سے لت پت نظر آتی تھی یوں ساری زمیں
جیسے برسا ہو فلک سے خون اس میدان پر
یا ہوا ہو قہر ہولی کا نزدل انسان پر
بھیم جس جانب گئے فوجوں میں رعشہ آگیا
رعب ان کے دبدبے کا کوروں پر چھا گیا
دیکھکر حالات نازک کوروں نے یہ کیا
لڑتے لڑتے دور ارجن کو وہاں سے کر دیا
اور اس کے روبرو پھر کر دیا فوجی جماؤ
ہو گیا اس طرح یارو ویر ارجن کا گھراؤ
ساتھ میں ارجن کے رن میں گھر گئے تھے کرشن بھی

کیونکہ وہ تھے حسب وعدہ اس کے رتھ کے سارتھی
کر دیا تب بھیشم نے یوں ناک میں دونوں کا دم
کرشن بھی گھبرا گئے اور بھول کر اپنی قسم
چکر لے کر ہاتھ میں دوڑے پتامہ کی طرف
پر تبھی لوٹ آئے کر کے یاد عہد باشرف
الغرض اس روز مارے بھیشم نے کل دس ہزار
دب گیا جن کے لہو سے ارض کا گرد و غبار
چھپ گیا سورج تبھی اور ہو گئی میدان میں شام
ہو گیا یوں معرکہ آرائیوں کا اختتام
دیکھ کر اس دن کی حالت پانڈو گھبرا گئے
اور پھر آپس میں مل کر مشورہ کرنے لگے
مشورے کے بعد تنہا ایک بھائی رات کو
بھیشم سے جا کر ملا اور بولا دادا جی کہو
آپ کے رہتے ہوئے فتح و ظفر کیسے ملے
غنچۂ امید ہم سب کا بھلا کیسے کھلے
اس نے اتنی عاجزی کے ساتھ کی یہ التجا
بھیشم دادا کو بھی فوراً رحم اس پر آ گیا
رحم دل بوڑھے نے اس سے پھر یہ سمجھا کر کہا
ایک صورت سے تو ہو سکتا ہے پورا مدعا

ہے شکھنڈی نام کا اک شخص شامل رزم میں
تھا وہ چونکہ صنف نازک اپنے پچھلے جنم میں
اس لئے میری نظر میں اب بھی عورت ذات ہے
فائدہ اس سے اُٹھانا یہ تمہارے ہاتھ ہے
میرا عورت کیطرف کو تیر چل سکتا نہیں
آڑ سے اس کی لڑو تو جیت ہو گی بالیقیں
سُن کے ساری بات انکی وہ وہاں سے چلدیا
اور اپنے بھائیوں کو اس نے سمجھا کر کہا
کوروؤں سے جیتنے کی بس یہی ترکیب ہے
بھیشم دادا کو انکا کردا و پر پائیں وجے
سوچ کر ان بھائیوں نے کر دیا یوں انتظام
منتخب سینے کیا اس کے لئے ارجن کا نام
اگلے دن ارجن نے آگے تو شکھنڈی کو رکھا
اور اس کے پیچھے پیچھے جنگ میں خود آ ڈٹا
بھیشم نے دیکھا جو اس کو رکھدیئے تیر و کماں
کر دیا ارجن نے تب ہی بھیشم جی کو نیم جاں
بھیشم کے اعضا سبھی تیروں سے چھلنی ہو گئے
اور پھر وہ دم زدن میں رتھ سے نیچے گر پڑے
ان کا گرنا تھا کہ ہر سو زلزلہ سا آ گیا

کوروؤں کی فوج میں تو ہوگیا محشر بپا
محترم تھے وہ سبھی کے سب کو ان کا غم ہوا
اور اس دم معرکہ کا سلسلہ بھی رک گیا
تب گئے طرفین کے ارباب اعلیٰ ان کے پاس
سب کے سب تھے غمزدہ، افسردہ اور حیرا اداس
دیکھ کر سب کو پتا مہ بھیشم نے اپنے قریں
ان سے فرمایا نہ ہو تم لوگ اب اندوہگیں!
میں نے یہ وردان پایا ہے پتا سے خاص کر
جب میں چاہوں گا عدم جانا تبھی ہوگا سفر
والدہا جلد مرے اک نیکدل انسان تھے
اس لئے ان کی رضا سے متفق بھگوان تھے
اُن کے منہ سے جو نکلتا تھا وہ پتھر کی لکیر
ایسے لوگوں کی ملا کرتی نہیں ہر جا نظیر
ہو نہیں سکتا کبھی بھی منحرف اس سے کوئی
نیکدل انسان کو ہوتی ہے حاصل برتری
بھیشم نے جو بھی کہا اس میں صداقت تھی کھری
ہوگیا ثابت عمل سے بات تھی اُن کی کھری
الغرض وہ تیروں کے بستر پہ عرصہ تک رہے
اور لیٹے لیٹے صدہا مشورے سب کو دیے

گیارہویں دن فوج کے سالار کو جب دم چُنا
بھیشم کا عہدہ درونا چاریہ جی کو مل گیا
درون[1] نے دو دن گزارے اور پھر آئی جورات
کر دیئے تشکیل اس نے دائرے[2] فوجوں کے سات
اور پھر للکار کر فوج مخالف سے کہا
ہے اگر ہمت تو آؤ روبرو میرے ذرا
سُن کے نوجی دائروں کی بات وہ گھبرا گئے
کیونکہ ان کو توڑنے کے فن سے وہ واقف نہ تھے
جانتے تھے اس کو ارجن پر وہ کافی دور تھے
اس لئے چاروں برادر فکر و غم سے چور تھے
دفعتاً ارجن کا بیٹا آیا ان چاروں کے پاس
اور پوچھا کیا سبب ہے آپ سب ہیں کیوں اداس؟
سُن کے استفسار اسکا پانڈووں نے برملا
فکر اور غم کا سبب اس ویر کو بتلا دیا
جان کر غم کی وجہ اس نے یدھشٹر سے کہا
جانتا ہوں میں ہی خود ان دائروں کو توڑنا
چھ دروں کو توڑنا تو خوب آتا ہے مجھے
ساتواں در رہ گیا وہ توڑدوں کا عقل سے

[1] درونا چاریہ کا مختصر نام۔ [2] چکرویوہ

سُن کے اس کی بات کو بولے یدھشٹر اے پسر
تو نے کس سے اور کب سیکھا ہے یہ طرفہ ہنر
سُن کے استفسار ان کا نوجواں کہنے لگا
جنم سے بھی پہلے جب میں پیٹ میں ماتا کے تھا
تب پتا جی کر رہے تھے ان سے اس کا تذکرا
چھ دروں تک مسلسل میں نے سیکھا اور سنا
پھر مری ماتا کو شاید نیند کا غلبہ ہوا
اس لئے قصہ جہاں تک تھا وہیں تک رہ گیا
ذہن میں محفوظ ہے وہ رات اب تک یاد ہے
آپ سچ مانیں مجھے ہر بات اب تک یاد ہے
آپ مجھ کو دیجئے رن کی اجازت محترم
میں ابھی ان کوروؤں کی ناک میں کر دوں گا دم
سُن کے اس کی بات چاروں بھائیوں نے رائے کی
اور سوچا عمر سولہ سال ہے اس کی ابھی
جنگ کی اس کو اجازت کیسے دی جائے بھلا
اس میں ہیں عزم و حوصلہ ہے پر نہیں کچھ تجربہ
سامنے یہ مسئلہ تھا اور یہ بھی فکر تھی
جنگ میں گر ہم نہ پہنچے تو یہ ہو گی بزدلی
فکر کی دنیا میں اس دم وہ بہادر کھو گئے

اور پھر اس جنگ کی بابت وہ یوں کہنے لگے
جانتا تھا خوب ارجن اس لڑائی کو مگر
آج ہم سے دور لڑتا ہے کہیں وہ بائنر
اب یہاں تھوڑا بہت جو جانتا ہے یہ ہنر
وہ ابھیمنو ہے تنہا ویر ارجن کا پسر
اس لئے بہتر یہ ہے دے دیں اسے اذن وغا
اور اس کے ساتھ کر دیں لوگ کچھ با تجربہ
الغرض ان پانڈووں نے کر کے یہ سب فیصلہ
دیدی ابھیمنو کو بعد از غور و خوض اذن وغا
مل گئی رن کی اجازت تو وہ میداں میں گیا
اور پھر اس لے لیا اس چکر ویوہ کا جائزہ
پہلے در پر تھے درونا چار جی اس ویوہ کے
اس لئے اس نے سلامی دی انھیں اک تیر سے
تیر اس کا قدموں میں جا کر درونا کے گرا
تب وہ سمجھے نوجواں یہ پوت ہے کس باپ کا
باپ کی مانند وہ بھی اچھا تیر انداز تھا
اس لئے وہ تیر برسا کر دیوہ میں گھس گیا
پیچھے پیچھے اس کے داخل ہو گئے کچھ اور بھی
پر انھیں ان دائروں سے کچھ شناسائی نہ تھی

اس لئے ایک ایک کر کے ساتھ سب کا چھوٹ گیا
اور ہفتم دائرے میں وہ اکیلا ہی گھسا
کردیا تنہا نے ان کا درہم وبرہم نظام
اور پھر اُس نے کیا یوں فوجیوں کا قتل عام
فوج سے ارباب سارے اس گھڑی گھبرا گئے
اور پھر سوچا کہ اس کو مار لو سب گھیر کے
اس لئے اس ایک کے دشمن ہوئے فوجی ہزار
کردیا پھر گھیر کر اس نوجواں کو بیقرار
اضطراب وجوش میں جب لڑرہا تھا وہ جواں
کٹ گئی اعدا کے تیروں سے تبھی اسکی کماں
پھینک کر اُسدم کماں تلوار کو اس نے لیا
اور پھر فوج عدو سے جنگ وہ کرنے لگا
جنگ میں تلوار سے اُس نے دکھائے ایسے ہاتھ
ہو گئی بس دم زدن میں ختم صدہا کی حیات
ٹوٹ کر جب گر گئی تلوار اس کے ہاتھ سے
اُس نے رتھ کا پہیہ لے کر کارگر حملے کئے
کٹ گیا تیروں سے آخر کار رتھ کا پہیہ بھی
اور کوئی ہتھیار جیسی شئے نہیں باقی رہی
تب ابھیمنیو تنہا ہو کے چیخا بار بار

پھر سُنی کبھی اَن سُنی کر دی گئی اس کی پکار
ان دنوں تھا معرکہ آرائیوں کا یہ شعار
کوئی بھی رَن میں نہتّے پر نہیں کرتا تھا وار
پھر اُنہوں نے ضابطوں کو ایک جانب دھر دیا
اور تنہا نوجواں کو قتل مل کر کر دیا
اس کے مرنے کا ہر اک پانڈو کو اتنا غم ہوا
رنج و غم کے شہر میں ہر اک سپاہی کھو گیا
کوروں نے غمزدہ پایا تو یوں حملے کئے
پانڈوں کی فوج کے فوجی بہت کم کر دیئے
دیکھ کر یہ سب دَرُونا ہو رہے تھے باغ باغ
اور شاید عرش پر تھا اس گھڑی ان کا دماغ
لمحہ لمحہ ہو رہا تھا غیظ ان کا تیز تر
ان کے ہتھیاروں کے آگے تھے خجل برق و شرر
کرشن جی نے جب نظر ڈالی عجب ہنگام تھا
پانڈووں کی فوج میں چاروں طرف کہرام تھا
لے لیا جب کرشن جی نے ہر طرف کا جائزہ
تب دیا سب پانڈوں کو کارگر یہ مشورہ
درون[1] کو جا کر سنائے کوئی یہ غمگیں خبر
مار ڈالا ہے کسی نے جنگ میں ان کا پسر

[1] درونا چاریہ سے مراد ہے۔

موت کی جب اشوتھاما[۲] کی سنیں گے وہ خبر
لڑکھڑا جائیں گے ان کے ہاتھ پاؤں دل جگر
اس طرح قابو میں کر سکتے ہو تم دلگیر کو
اور مُردہ گھاٹ پہنچا سکتے ہو اس ویر کو
مشورہ اچھا تھا لیکن سامنے تھا یہ سوال
دْرونا سے یہ کیسے کہہ دیں مر گیا ہے ان کا لال
بھیم کو ترکیب سوجھی اور اس نے کی یہ بات
اشوتھاما نام کے ہاتھی کے مارا ایسا ہاتھ
ایک دم اس کا چراغِ زندگی گل ہو گیا
پھر اڑا دی یہ خبر کہ اشوتھاما چل بسا
جب درونا چارجی کو ملی غمگیں خبر
تب یدھشٹر سے وہ بولے اے عزیز معتبر
اشوتھاما مر گیا ہے کیا یہ سچی ہے خبر
تب یدھشٹر نے بتایا ہاں خبر ہے معتبر
"پر وہ ہاتھی تھا" انہوں نے یہ ذرا دھیرے کہا
جو صدائیں شنکھ کی اس طرح دب کر رہ گیا
درونا اس کا شائبہ بھی تو نہ اے دل سُن سکے
اس لئے بیٹے کا مرنا جان کر وہ رو پڑے
اس خبر کا ان کے دل پر پھر ہوا اتنا اثر
چھوٹ کر ہاتھوں سے ان کے گر گئے تیر وتبر
پھر عبادت میں درونا ایشور کی کھو گئے
اور بیٹے کی دعائے مغفرت کرنے لگے

۲۔ اشوتھاما درونا چاریہ جی کے بیٹے کا بھی نام تھا اور ایک ہاتھی کا بھی

دیکھ کر محوِ عبادت اور جہاں سے بے خبر
کر دیا تن سے جُدا اک شخص نے بس انکا سر
مل گئی اس طرح ان کو پاپی دنیا سے نجات
ہو گئی یوں ختم ان کی دہر فانی میں حیات
بعد مُردن ان کا عہدہ کرن کو سونپا گیا
جسنے سہدیو اور پید ھشٹر سکے دیئے چھکے چھڑا
اور پھر آخر میں ارجن سے کیا یوں سنگرام
پیر گڑ گئے حیرت میں جس کو دیکھ کر سب خاص و عام
رتھ کے پہیئے دفعتاً اس کے زمیں میں دھنس گئے
تب کہا ارجن سے اُس نے اب ذرا رک جائیے
۔ رتھ کے پہیئے جب اٹھالوں تیر اُس دم پھینکنا
ہے یہی ارجن تقاضا جنگ کا اور دھرم کا
سُن کے اس کی بات ارجن نے کہا غصّہ کے ساتھ
کیا یہی تھا دھرم جو تم نے کیا بچے کے ساتھ
گھیر کر تم سب نے اک بچّے کو کر ڈالا ہلاک
اور اپنے متھ پہ مل لی بے انصافی کی خاک
اب دکھائی دے رہا ہے یہ تقاضا دھرم کا
سامنے جب آ رہا ہے پھل تمہارے کرم کا
کرن نے جسدم سنا ارجن کے منہ سے یہ جواب

ابھیمنیو

ہو گیا وہ شرم کے مارے وہیں پر آپ آپ
وہ ابھی بحر مخالف ہی میں تھا ڈوبا ہوا
تیر ارجن کا لگا اور وہ زمیں پر گر پڑا
اسکے گرتے ہی ادھر تو بچھ گئی ماتم کی صف
اور ابر انبساط افروز چھایا اس طرف
الغرض پھر پانڈووں کا بھاری پلّہ ہو گیا
اور ان کے دشمنوں کا حال پتلا ہو گیا
سترّہ دن ہو چکے تھے اس لڑائی کو مگر
چھوڑنے کو کوئی بھی راضی نہ تھا اپنی ڈگر
آخری دن فوج کا سالار شلیہ کو چُنا
جسنے طرفہ ڈھنگ سے کی معرکہ کی ابتدا
اس لئے امروز سب دن سے بھیانک جنگ تھی
دیکھکر جس کو سبھی مخلوق عالم دنگ تھی
بھیم نے اس دن لیا تھا گرز سے اسقدر جو کام
چھوڑ کر دو چار کو سب کا ہوا قصّہ تمام
جنگ میں جس وقت راجہ شلیہ بھی مارے گئے
بھاگ کر کورو بھی جائے اماں میں جا چھپے
اشو تھاما، کرت جد ما اور کرپا چار سے
ہو گئے روپوش یہ سب جنگ کے میدان سے

جا چھپا تھا جا کے دیوِر دھن کسی تالاب میں
بات یہ شاید نہ سوچی ہو گی اس نے خواب میں
بھاگنے پر پانڈوں نے کی ہر اک سو جستجو
چاہتے تھے وہ کہیں مل جائے دیور دھن کی بو
پر نہیں مل پایا ان کو چھپنے والے کا سُراغ
تھک گیا آخر قیاس و فال سے ان کا دماغ
لگ رہی تھی ان کو دل سے اسلئے وہ جابجا
عرض کرتے تھے ہر اک سے اپنے دل کا مدعا
پوچھنے پر لگ گیا آخر پتہ اس تال کا
جس میں دریودھن پڑا تھا خوف سے سہما ہوا
سنتے ہی فی الفور پہنچے سب کے سب تالاب پر
اور چاروں سمت سب نے اپنی دوڑائی نظر
جب نظر آیا نہیں ان میں کسی کو بھی رقیب
ہو گئے تالاب کے تب وہ نہایت ہی قریب
اور پھر مل کر سبھی نے اس کو للکارا وہاں
آ گیا میداں میں وہ بھی چھوڑ کر جائے اماں
اور پھر اُس نے بصد غیظ و غضب آ کر کہا
تم سبھی میں جو بہادر ہو وہ لے آئے گدا
میں گدا کی جنگ کو تیار ہوں ہر ایک سے

باری باری ایک ایک آجائے اور مجھ سے لڑے
پانڈووں نے جب یہ دیکھا اسمیں اب بھی ہی غرور
حوصلہ اب بھی ہے باقی اب بھی ہے عزمِ غیور
تب یہ سوچا کیسے اسکا فخر چکنا چور ہو
کس طرح زیرِ قدم ہم سب کے یہ مغرور ہو
سوچ کر سب نے چنا اُسکو گرامی بھیم کا
کیونکہ اس فن میں کوئی بھی اس کا ہم پلہ نہ تھا
الغرض لے کر گدائیں آ ڈٹے دونوں جواں
اور پھر ان میں ہوئیں یوں معرکہ آرائیاں
چھا گیا آنکھوں کے آگے جنگ کا خونیں سماں
دیکھنے والوں نے آنکھوں کے تلے دیں انگلیاں
گرز ٹکرانے سے اُٹھیں اس طرح چنگاریاں
جیسے چمکیں ابرِ باراں میں کڑک کر بجلیاں
یاد آئی بھیم کو اس وقت وہ اپنی قسم
دروپدی کا چیر کھینچنے پر جو کھائی تھی قسم
پوری کر لی بھیم نے اس وقت وہ پر تگیا
جانگھ دریودھن کی توڑ ہی مار کر اپنی گدا
ٹوٹتے ہی جانگھ کے وہ اوندھے منہ نیچے گرا
اور پھر دو چار لمحے بعد ہی وہ مر گیا

اس کے مرنے پر ہوا جنگ و جدل کا اختتام
اور یدھشٹر پانڈووں کو مل گئی فتح دوام
بھیشم دادا ان دنوں بھی تیروں کے بستر پہ تھے
اس لئے ان سے یدھشٹر پہلی فرصت میں ملے
بھیشم نے اس دم یدھشٹر کو بتائے کچھ اصول
اور کچھ بخشے ہدایت کے انھیں انمول پھول
جن کی خوشبو سے معطر ہو گیا ان کا دماغ
اور تا وقتِ اجل جن سے رہے وہ باغ باغ
بھیشم کے پند و نصائح کا تھا یہ لب لباب
راہِ حق کے راہرو ہوتے ہیں ہر سو کامیاب
بھیشم نے یہ بھی یدھشٹر کو بتایا تھا تبھی
دھرم کے رستے پہ چل کر ملتی ہے آسودگی
اس لئے کرنا حکومت دھرم اور انصاف سے
اور ہر اک کام کرنا دامن حق تھام کے
یاد رکھنا یہ ہمیشہ دھرم ہوتا ہے جہاں
کامیابی اور ظفر کا راج ہوتا ہے وہاں
سیکھ کر باتیں بہت سی بھیشم سے وہ بادشا
ہستناپور کی حکومت اس طرح کرنے لگا.
ہر طرف رنگینیاں، تھیں ہر طرف رعنائیاں

ہر طرف عیش و طرب تھا ہر طرف گلریزیاں
چھا رہا تھا ابر رحمت ملک میں چاروں طرف
تھی فراوانیِ دولت ملک میں چاروں طرف
عدل و انصاف و ادب کی روشنی تھی چار سو
مطمئن ہر اک بشر کی زندگی تھی چار سو
جذبۂ انس و اخوّت چاروں جانب عام تھا
خدمتِ خلق خدا کا ذکر ہر ہر گام تھا
اس طرح آسودگی سے چل رہا تھا اسکا کام
رشک کرتے تھے شہنشاہ دیکھ کر اسکا نظام
رفتہ رفتہ ہو گیا اتنا بلند اس کا مزاج
پاس کے راجاؤں سے بھی لے لیا اُسنے خراج
اس طرح کافی دنوں جب کر چکا وہ راج کاج
دیدیا اپنے بھتیجے کے پسر کو تخت و تاج
پھر یدھشٹر نے ہمالہ کی طرف کا رُخ کیا
اور چاروں بھائیوں کو ساتھ اپنے لے لیا
دروپدی بھی ساتھ میں ان کے ہمالہ پر گئی
اور چلتے چلتے آخر راستے میں مر گئی
مر گئے پھر بھیم ارجن اور نکل سہدیو بھی
رہ گئے تنہا یدھشٹر جو تھے باطن میں گنی

آ گیا بے کنٹھ سے اک رتھ تبھی ان کے لئے
بیٹھ کر جس میں یدھشٹر سورگ کی جانب چلے
اور پھر بے کنٹھ میں ان کو ملا اونچا مقام
ہو گیا اس طرح افسر داستاں کا اختتام